حمیریٔ ہند مولانا سید محمد اصطفا خورشیدؔ اجتہادی

پدم شری جناب مہذبؔ لکھنوی مرحوم

لکھنؤ کے خاندان اجتہاد میں جہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین گذرے وہاں ایسے افراد بھی دنیا میں آئے جو زبان وادب نیز شعر وشاعری میں فخر خاندان کہے جانے کے قابل ہیں۔ جاویدؔ مرحوم بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے نیز دیگر حضرات جو شعر وسخن میں مشہور ہوئے ان میں سید اصطفیٰ عرف لڈن صاحب خورشیدؔ مرحوم بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ خاندانی سلسلہ یوں ہے کہ مولانا سید اصطفیٰ عرف لڈن صاحب خورشیدؔ مرحوم خلف خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ خلف سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ جو بڑے قبلہ وکعبہ کے لقب سے مشہور تھے۔

جناب خورشیدؔ مرحوم کے والد سید مرتضیٰ اعلیٰ اللہ مقامہٗ وہ بزرگ تھے جن کی فیاضی کے قصے آج تک لوگوں کے زبان زد ہیں۔ خاص کر یہ واقعہ آج تک لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی قبر سے تلاوت کلام پاک کی آواز آتی رہی لیکن ان کا انتقال ان کے والد کی حیات ہی میں ہوا تھا چنانچہ سلطان العلماء طاب ثراہ قبر پر تشریف لے گئے اور کچھ کلمات فرزند سے خطاب کر کے ارشاد فرمائے جس کے بعد وہ آواز آنا موقوف ہوگئی۔

جناب خورشیدؔ مرحوم، مولانا سید محمد جعفر صاحب امیدؔ کے شاگرد تھے۔ جناب امیدؔ بھی اپنے عصر کے مستند استاد تھے۔ خورشیدؔ صاحب مرحوم کی درسی استعداد اور فنی تحقیقات نہایت مسلم ومستند مانی جاتی تھی۔ ان کے زمانے میں نواب بنّے صاحب مشتاقؔ مرحوم، قاری یعقوب علی خاں صاحب، میر عشقؔ مرحوم اور وہ خود، یہ چار استاد گویا مجتہد فن تسلیم کر لئے گئے تھے۔ فنی مسائل میں ان حضرات کے فیصلے قطعی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے صاحبان کمال کا نام بھی لوگوں کو معلوم نہیں۔ مرحوم نے کم وبیش پچاس مرثیے کہے لیکن آج ان کا پتہ بھی نہیں ملتا۔ غزلیات کا ایک مکمل دیوان بھی تھا جو کسی صورت سے شاہجہانپور کے ایک ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر مسمیٰ رَینا صاحب کے پاس پہنچ گیا تھا اور اب خدا معلوم کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

حکیم منے آغا صاحب آفتابؔ، پروفیسر سید اولاد حسین صاحب، شاداںؔ بلگرامی، پروفیسر سید محمد نقی صاحب شادماںؔ (پروفیسر مدرسۂ عالیۂ رامپور)، عبدالرحیم صاحب مرحوم کلیمؔ لکھنوی، سید ساجد حسین صاحب فہیمؔ (مرثیہ گو) لکھنوی وغیرہ خورشیدؔ صاحب مرحوم ہی کے شاگردوں میں تھے۔

خاندان اجتہاد میں تین شخص ایسے حسین ووجیہہ گذرے کہ ان کا جواب خاندان کے علاوہ بھی اس زمانے میں مشکل سے ملتا تھا۔ ایک کہف العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مرحوم مجتہد دوسرے مولانا ڈپٹی علی اکبر صاحب مرحوم اور تیسرے خود لڈن صاحب خورشیدؔ مرحوم۔

جناب خورشیدؔ مرحوم کو خدا نے تین لڑکے عطا کئے تھے، مولوی چھبن صاحب مولانا اغن صاحب قمرؔ اور مولوی بنّے صاحب اخترؔ لیکن یہ تینوں فرزند باپ کے سامنے ہی سپرد گور ہوگئے۔ ایک شعر جو آج لوگوں کی زبان پر ہے ؎

حنا دستِ نازک میں ملتے ہوئے

چلے رنگ عالم بدلتے ہوئے

یہ مذکور الصدر بنّے صاحب اخترؔ مرحوم ہی کا ہے۔ خورشیدؔ صاحب مرحوم نے فن شعر وسخن میں نیز دیگر علوم میں بکثرت کتابیں تصنیف و تالیف کیں لیکن وہ سب آج کالعدم ہو رہی ہیں۔ انھیں میں کی ایک کتاب ''افادہ'' تھی جو فن شعر میں بے نظیر اور مفید ہوتی اگر شائع ہوجاتی لیکن افسوس کہ دیکھنے والوں نے اس کو خود دیکھا تھا لیکن آج پتہ نہیں کہ کہاں ہے۔ مرحوم ایک ماہانہ رسالہ ''گلدستۂ انتخاب'' نکالا کرتے تھے جس میں شعراء کا تازہ کلام اور کچھ فنی مضامین ہوتے تھے۔

خورشیدؔ مرحوم لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو رئیس مولانا مہدی حسین صاحب ماہرؔ کے داماد تھے اور خود بھی دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں مرثیہ گوئی سے زیادہ اُنس رکھتے تھے۔ محرم میں پٹنہ کے ایک رئیس نواب بادشاہ نواب صاحب کے یہاں بسلسلۂ خوانندگی جایا کرتے تھے۔ ایک سال ایک رباعی پڑھی جس کا چوتھا مصرع بہت مشہور ہے ع

مرجایئے یا حسینؑ کہتے کہتے

اسی سال یعنی ۱۹۰۱ء میں ہیضہ کے مرض میں وہیں انتقال کیا اور محلہ گلزار باغ کے قریب ایک مقبرے میں دفن ہوئے۔

(مورخہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۵۱ء)

مرثیہ در حال حضرت عباس علیہ السلام

(۸۷ر بند) خورشیدؔ اجتہادی

پھر آج کلکِ رواں بہر نظم اُٹھاتا ہوں
سبھوں کو زور قلم بزم میں دکھاتا ہوں
وفور شوق میں بیخود ہوا ہی جاتا ہوں
نشاں تباہئ اوراقِ دل کے پاتا ہوں
نظر میں طبع سخن سنج آج تلتی ہے
ہوا بندھی ہوئی مدت کے بعد کھُلتی ہے

بڑھائے نشہ جو یا رب، وہ جامِ کوثر دے
دہن کو موتیوں سے میرے آج تو بھر دے
نہ جاہ و مال مجھے دے نہ دولت و زر دے
زباں کو قوتِ دیرینہ پھر عطا کردے
عدو ہوں دیکھ کے بے چین اور میں چین کروں
اسی طرح سے ثنا خوانئ حسینؑ کروں

وہی ہو زور قلم اور وہی روانی ہو
اسی طریق سے مولا کی مدح خوانی ہو
وہی فصاحتِ الفاظ و خوش بیانی ہو
بڑھے وہ جوش کہ دریا بھی پانی پانی ہو
جو دیکھیں آب تو موجوں کی جستجو نہ رہے
کسی نظر میں سمندر کی آبرو نہ رہے

بہت سکوت کیا، اب تپاں ہے قلب نزار
سنبھالوں کیا کسی پہلو نہیں ہے دل کو قرار
ہر ایک دم یہی حجت ہے بس یہی تکرار
کہ مدح شاہ میں ہو نغمہ کش برنگِ ہزار
جہاں میں بحر کی توقیر ہے تو بہنے سے
حصول، بلبل تصویر بن کے رہنے سے

چنانچہ ایک حکایت بیان کرتا ہوں
ثنائے آل رسالت بیان کرتا ہوں
انھیں کی شفقت ورحمت بیان کرتاہوں
بہت صحیح روایت بیان کرتا ہوں
عیاں کیا ہے یہ راز ایک دل برشتہ نے
رقم کیا ہے اسے قاسمِ فرشتہ نے

دکن کی سمت کو احمد نگر ہے ایک مقام
وہاں کا شاہ تھا برہان شاہ نیک انجام
وہ یوں تو رکھتا تھا ظاہر میں ملتِ اسلام
مگر نہ دین کی باتوں سے تھا اسے کچھ کام
جہاں کے دور میں صد انقلاب دیدہ تھا
ہزار تھا وہ خوش آئیں پہ بدعقیدہ تھا

اگرچہ رکھتا تھا دو بیٹے وہ خجستہ نہاد
پہ چھوٹے بیٹے سے الفت اسے تھی حد سے زیاد
اسی کو دیکھ کے رہتا تھا رات دن دل شاد
رہے وہ چین سے ہر دم، یہی تھی اس کی مراد
کرم کرم پہ، تلطف تھا بس تلطف پر
فدا تھا صورت یعقوب اپنے یوسف پر

کبھی زمانے کو اک حال پر نہیں ہے قرار
سبھوں کا تشنۂ خوں ہے یہ ظالم غدار
ہوا جو یہ فلک پیر بر سرِ آزار
تو دفعتاً وہی فرزند پڑ گیا بیمار
ضعیف اس کے سلیماں کو مثلِ مور کیا
بدن دہکنے لگا سب، یہ تپ نے زور کیا

بڑھا تھا ضعف کسی طرح چھوڑتا تھا نہ غش
پڑا تھا فرش پہ مانند مردہ وہ مَہوش
زباں میں کانٹے پڑے تھے یہ تھا وفورعطش
بلند ہر بُنِ مو سے تھے شعلۂ آتش
یقیں تھا صورتِ شمعِ لگن پگھل جاتا
جو نبض دیکھتا دستِ طبیب جل جاتا

ہجوم یاس تھا، افراط رنج و درد و تعب
تھیں آنکھیں بند، نہ دنیا سے تھا کوئی مطلب
بھلا طبیب اسے دم بھر سنبھال سکتے تھے کب
ہوئی تھی لاغریٔ جسم زندگی کا سبب
غلط یہ قول ہے آنکھوں کو موڑ سکتا تھا
خود اپنی عمر کا رشتہ نہ توڑ سکتا تھا

طبیب جان لڑائے ہوئے تھے گو کہ مگر
دوائیں کرتی نہ تھیں اک ذرا بھی اپنا اثر
ہوا شفا سے جو مایوس آخر اس کا پدر
تو فرق اس کے عقیدوں میں آگیا یک سر
کلام برہمنوں تک کے آزمانے لگا
بتوں کے پاس وہ لے لے کے نذر جانے لگا

تھے ایک سید ذی جاہ، شاہ طاہر نام
ہر ایک علم میں بے مثل، حجت الاسلام
اسی خیال میں رہتے تھے ہر سحر ہر شام
کہ دین حقۂ اسلام کا ہو شہرۂ عام
رواج پائے یہی دین، دل یہ کہتا تھا
خیال آپ کو ہر دم اسی کا رہتا تھا

وطن کو چھوڑ کے رہتے تھے کچھ دنوں سے وہاں
سوا ہر ایک سے قدر ان کی کرتا تھا سلطاں
نظر جب آیا انھیں اس طریق کا ساماں
تو ڈرتے ڈرتے کیا بادشاہ سے یہ بیاں
خدا کے فضل سے کیا راہ میں نے پائی ہے
شفا ہو اس کو وہ اک بات دل میں آئی ہے

ہوا یہ سنتے ہی خوش بادشاہ حد سے سوا
پھر اس نے سید والا تبار سے یہ کہا
کہ جو کچھ آپ کو کہنا ہو کہیئے بہر خدا
کسی سے دہشت وخوف آپ کیجئے نہ ذرا
یہ وہ نظر ہے جو پتھر کے دل میں راہ کرے
مجال کیا جو کوئی بدنظر نگاہ کرے

یہ بولے شاہ سے تب سید خجستہ سیر
کہ مجھ کو غیر کا ہرگز نہیں ہے خوف و خطر
یہ ڈر ہے بس کہ ہوا آپ کے خلاف اگر
تو پھر ہے لاکھ طرح سے مرا ضرر ہی ضرر
بیان حال سے بے وجہ اجتناب نہیں
عتاب شاہ اٹھانے کی مجھ میں تاب نہیں

ابھی کہوں میں جو یہ عہد کیجئے بہ قسم
کہ تجھ کو دیں گے کسی طرح کی نہ ایذا ہم
اگر خلاف بھی گذرے گا تو نہ کر کچھ غم
کہ اذن حج تجھے دے دیں گے ہم ابھی اسی دم
نہ شکل دیکھے گا تو آفت و مصیبت کی
اماں ہے تیرے لئے جان و مال و عزت کی

غرض کہ عہد اسی طرح سے جب اس نے کیا
تو اس سے سید عالی جناب نے یہ کہا
حضور نذر کریں اس طرح سے پیش خدا
کہ آج شب کو شفا پائے گر پسر میرا
تو جتنے وسوسے ہیں دل میں سب کو کھوتا ہوں
ابھی میں پیرو دینِ رسولؐ ہوتا ہوں

سمجھ چکا تھا جو سلطاں شفا کو امر محال
تو ایسی نذر میں کچھ کی نہ اس نے قیل وقال
فراغ پا کے چلا واں سے وہ بدرد و ملال
گیا قریب پسر دیکھنے کو اس کا حال
نہ دیکھا جائے تو پھر کوئی کس طرح دیکھے
وہ دیکھا کرب کہ دشمن نہ اس طرح دیکھے

لحاف اُڑھاتے اُسے، اس کے اہل مذہب جب
وہ پھینک دیتا وہیں ہاتھ پاؤں مار کے تب
یہ بولا دیکھ کے سلطاں بصد ہزار تعب
کہ اس کو بس یونہی رہنے دو کچھ اڑھاؤ نہ اب
کوئی گھڑی میں عدم کو رواں مسافر ہے
ہوا جہان کی کھالے کہ وقت آخر ہے

یہ کہہ کے دل کو جو پہنچا ملال حد سے سوا
تو سر کو ٹیک کے بالیں پہ سو گیا وہ ذرا
لگی جو آنکھ تو اس نے یہ خواب میں دیکھا
کہ اک بزرگ ہوئے میرے گھر میں جلوہ نما
عیاں جلال خدائے جہاں ہے چتون سے
خجل ہے مہر کی ضو روئے صاف و روشن سے

اسی جمال کے بارہ بزرگ ہیں ہمراہ
ہر اک کا چہرۂ روشن ہے رشک مہر و ماہ
مجال کیا کہ جو ٹھہرے کسی کے رُخ پہ نگاہ
دکھائی دیتی ہے آنکھوں کو صاف شان الٰہ
وفورِ جلوہ گری ہے خدا کے نور کی طرح
چمک رہے ہیں در و بام کوہ طور کی طرح

کچھ اور لوگ بھی ہیں شکل خادم و چاکر
کھڑے ہیں فرطِ ادب سے الگ الگ ہٹ کر
خموش صورت تصویر ہیں جھکائے ہیں سر
نہیں یہ تاب کسی کی اُٹھا سکے جو نظر
کسی کے جسم میں گویا کہ ڈر سے جان نہیں
بس اک مرقعِ تصویر ہے مکان نہیں

یہ بڑھ کے ایک سے تب بادشاہ نے پوچھا
کہ یہ بزرگ ہیں کون ان کا نام پاک ہے کیا
اور ان کے ساتھ ہیں جو صاحبان مجد و عُلا
یہ سب ہیں کون مجھے سارا حال جلد بتا
کبھی نصیب میں ایسا شرف نہ لکھّا تھا
یہ حسن خواب میں بھی آج تک نہ دیکھا تھا

دیا جواب تب اس نے کہ جلد ہو آگاہ
یہی تو ختمِ رُسل ہیں محمدؐ ذی جاہ
اور ان کے ساتھ یہ بارہ امام ہیں واللہ
کہ جن کی شان میں ہے اِنّما یرِیْدُ اللّٰہ
فضائل ان کے ہر اک انس و جن پہ ظاہر ہیں
مثال احمدؐ مرسل یہ پاک و طاہر ہیں

یہ ذکر تھا کہ بڑھ آئے رسولِ ربّ عُلا
اُٹھا کے ہاتھ کو بُرہان شاہ سے یہ کہا
کہ تیری نذر ہوئی مستجاب پیش خدا
عطا کی اس ترے فرزند ناتواں کو شفا
نہ اپنی بات کو برہان اب مکرنا تو
کہا ہے جو مرے فرزند نے وہ کرنا تو

یہ خواب دیکھ کے بیتاب ہوکے وہ اٹھا
نگاہ کی تو نظر آیا کچھ سماں ہی نیا
لحاف اس پہ پڑا ہے جسے اتارا تھا
ہیں فرط خوف سے لرزاں ہر اک کے دست و پا
حواس و ہوش ذرا ایک آدمی میں نہیں
یہ حال ہے کہ مجال سخن کسی میں نہیں

کہا یہ شاہ نے لوگوں سے کہہ دو مجھ سے صاف
کہ اس پسر کو اُڑھایا ہے اب یہ کس نے لحاف
یقین جان لو اس کا اگر کہوگے خلاف
تو پھر خطا کو تمہاری کروں گا میں نہ معاف
وہ صاف صاف کہے تم میں سے جو کوئی ہو
نہ میرے سامنے ہرگز دروغ گوئی ہو

یہ جوڑ جوڑ کے ہاتھوں کو بولے سب، شاہا
کسی نے ہم میں سے ہرگز نہیں یہ کام کیا
یہی تو ہے ہمیں حیرت کہ یہ ہوا ہے کیا
لحاف آپ سے آپ اُٹھ کے آگیا بخدا
پھر اور کیا ہے اگر یہ خدا کی شان نہیں
کسی کے جسم میں اس ڈر کے مارے جان نہیں

یہ سن کے لوگوں سے، آیا وہ تب قریب پسر
لحاف اُٹھا کے رکھا ہاتھ اس کی نبضوں پر
تپ شدید کجا، تھا نہ کچھ بھی اس کا اثر
صحیح آیا نظر اس کو اپنا نور نظر
خبر ذرا بھی نہ ہو، لاکھ شور ہو سر پر
کچھ ایسا چین سے وہ سو رہا ہے بستر پر

یہ حال دیکھ کے خوش ہوگیا وہ نیک انجام
بلا کے سید طاہر سے تب کیا یہ کلام
کہ سارے آپ کے باعث سے بن گئے مرے کام
بس اب سکھایئے آئینِ حقۂ اسلام
خدا گواہ غضب اشتیاق ہے مجھ کو
اب اک گھڑی کی بھی تاخیر شاق ہے مجھ کو

رہے کرامتِ آل محمدؐ ذی شاں
نہ کیوں ہو مدح میں قاصر ہر اک بشر کی زباں
بس ایک آن ہی میں کیا سے کیا ہوا ساماں
شفا پسر کو، پدر کو عطا کیا ایماں
جدا ہر ایک خیال خراب وزشت ہوا
جو دوزخی تھا وہی قابل بہشت ہوا

کروں نہ کیوں ترے ہاتھوں سے اے فلک فریاد
کبھی نہ تو نے کیا دوستوں کے دل کو شاد
چلی کچھ ایسی جہاں میں ہوائے بغض وعناد
جہاز آل پیمبرؐ کا ہوگیا برباد
بیان کیا ہو جو اجزا کا حال آہ ہوا
کوئی عرب میں، عجم میں کوئی تباہ ہوا

کجا حجاز و مدینہ، کجا عراق و عجم
کہاں کہاں نہ لٹے اہلبیتؑ شاہِ اُمم
ستم تو یہ ہے کہ پہنچا نہ غیر سے کوئی غم
کئے سب اُمتِ ختم رسل نے ظلم و ستم
نہ ایک قطرہ عطش میں بھی آب نہر دیا
کسی کو قتل کیا اور کسی کو زہر دیا

سہے ہر ایک نے یوں تو ہزاروں ظلم مگر
ہوا نہ شاہ شہیداں کا کوئی بھی ہمسر
مقام غور ہے ﷲ کیجئے تو نظر
ملا نہ آب بنی فاطمہؑ کو دریا پر
تمام لُٹ گیا گھر مظہر العجائب کا
ہوا حسینؑ پہ بس خاتمہ مصائب کا

حواس و ہوش کو کیونکر نہ ہو پریشانی
ہے صفحے صفحے کو مرغوب رختِ عریانی
لہو ہے خشک یہ ہے سوز غم کی طغیانی
دواتیں پیتی ہی جاتی ہیں دم بدم پانی
قلم سے خار الم گڑ گئے ہیں آنکھوں میں
یہ پیاس ہے کہ گڑھے پڑ گئے ہیں آنکھوں میں

ہوئے جو ابن حسنؑ بھی شہید راہ خدا
دل اور حضرت عباسؑ کا نڈھال ہوا
یہ جوش آتا تھا رَہ رہ کے دل میں مرنے کا
بھرے تھے آنکھوں میں آنسو، عرق جبیں پر تھا
نگاہ تیغ کے قبضے سے جھک کے لڑتی تھی
وفور غیظ سے تلوار اُنگلی پڑتی تھی

یہ عرض کرتے تھے اکبرؑ حضور ادھر آئیں
ہجوم غم ہے ذرا شاہ دیں کو سمجھائیں
جواب دیتا تھا غازی کہ آپ خود جائیں
کلام ایسے نہ ہرگز زبان پر لائیں
بلند دل سے مرے دودِ آہ ہے واللہ
مری نگاہ میں دنیا سیاہ ہے واللہ

غضب ہے گود کے پالے تو ہوں فدا شہ پر
ہم اپنی جان چھپاتے پھریں جواں ہوکر
تباہ حال کریں رانڈیں خیمے کے اندر
ہم ایک ایک کو سمجھائیں بیٹھ کے باہر
خود اپنے ہاتھ سے عزت کو اپنی کھونا ہے
نہ ہم سے ایسا ہوا ہے کبھی نہ ہونا ہے

یہ کہہ کے تاب نہ دل میں رہی دلیر کے پھر
تڑپ کے آئے قریبِ شہنشہِ صابر
جھکا کے رکھ دیا پائے امام پاک پہ سر
کہا حسینؑ نے بھائی کہو تو کچھ آخر
جو کچھ گذرنے تھے صدمے گذر چکے، اُٹھو
کہ شرمسار ہمیں خوب کر چکے، اُٹھو

یہ بولا جوڑ کے ہاتھوں کو تب وہ نیک انجام
اُٹھائے گا نہ کبھی سر کو پاؤں سے یہ غلام
وفور درد سے ہوتا ہے اپنا کام تمام
خدا کے واسطے دیں اذن حرب شاہ انام
بس اب تو روکے سے رکتا نہیں قدم آقا
یقین ہے کہ نکل جائے تن سے دم آقا

مری سکینہ کو ہے تشنگی کی طغیانی
جلا رہا ہے کلیجے کو سوزِ پنہانی
جہاں میں زیست کا کیا اعتبار، ہے فانی
میں اپنے ہاتھ سے لاکر پلا تو دوں پانی
جگر ہو خون تو آنکھوں سے کیوں نہ بہہ جائے
یہی ہے ڈر کہ یہ حسرت کہیں نہ رہ جائے

نہ دینے پائے تھے مولا جواب ابھی کہ جو آہ
صدا یہ خیمے سے دی آ کے فضّہ نے ناگاہ
کدھر ہیں ماہِ بنی ہاشمِ فلک درگاہ
خبر تو آ کے بھتیجی کی لیں ذرا ِللہ
کہیں نہ زیست کا لبریز جام ہوجائے
قریب ہے کہ عطش سے تمام ہوجائے

صدا یہ سنتے ہی بولے امامِ کون ومکاں
بس اب اٹھائیے سر جائیے سوئے میداں
مراد آپ کی بر آئی دل ہوا شاداں
بڑھا ہمارے لئے اور درد کا ساماں
ہجوم میں ہمیں تنہا ہی چھوڑیئے اچھا
کمر ہماری ضعیفی میں توڑیئے اچھا

اُٹھا یہ سنتے ہی روتا ہوا وہ ذی رفعت
ہوا روانہ سوئے خیمہ گہہ پئے رخصت
حرم میں جا کے نظر آئی کچھ عجب صورت
عطش کے مارے سکینہؑ کی ہے بری حالت
زباں ہے خشک تو نہر آنسوؤں کی جاری ہے
پڑی ہے گود میں زینبؑ کی، غش سا طاری ہے

لئے ہے چھوٹا سا مشکیزہ ہاتھ میں ناداں
بچے گی اب نہ یہ بچی یہی ہے سب کو گماں
کھڑی ہیں زوجۂ عباسؑ مضطر و حیراں
گھڑی گھڑی یہی کرتی ہیں ایک اک سے بیاں
غضب کریں گے نہ آہیں یہاں بھرو لوگو!
خبر تو ان کے چچا جان کو کرو لوگو!

ہمیشہ رہتی ہے تاکید ان کی یہ مجھ پر
مری سکینہؑ کو ایذا نہ ہو کبھی دم بھر
اسی کے کام میں مصروف رہیو آٹھ پہر
وہی ہے نور نظر اور وہی ہے لخت جگر
فدا ہیں آنکھیں بھی قلب و جگر بھی صدقے ہیں
نثار میں بھی ہوں دونوں پسر بھی صدقے ہیں

گھڑی گھڑی یہی شب بھر رہا ہے مجھ سے بیاں
سکینہؑ پیاسی ہے اس غم میں جاتی ہے مری جاں
کہیں ہو جلد سحر نکلے دل کا کچھ ارماں
کروں کچھ اس کے لئے آب لانے کا ساماں
تمام دفترِ افواجِ شام ابتر ہو
لگا دوں آگ نہ پانی اگر میسر ہو

میں سچ کہوں انھیں غصہ خدا کرے کہ نہ آئے
ذرا سمجھتے نہیں لاکھ پھر کوئی سمجھائے
سپاہ شام تو کیا ہے کہ آنکھ میں جو سمائے
جہاں ہو ایک تو تاب ان کی ضربتوں کی نہ لائے
مطیع کس کے، نظر کردہ کس دلیر کے ہیں
غلام بھائی کے، بیٹے علیؑ سے شیر کے ہیں

یہ ذکر تھا کہ جو نزدیک آگئے عباسؑ
خموش ہو رہی زوجہ اُڑے یہ ہوش و حواس
ہلا کے شانہ یہ بولی پھوپھی بدرد و یاس
اٹھو سکینہ چچا آگئے نہ ہو بے آس
امید بندھ گئی صد شکر زندگانی کی
سبیل نکلے گی کوئی نہ کوئی پانی کی

بہن سے بولے یہ عباسؑ تب بدیدۂ نم
ابھی نہ کیجئے ہشیار میرے سر کی قسم
میں لے کے جاتا ہوں مشکیزہ سوئے فوج ستم
خدا نے چاہا تو آتا ہوں پھر کے بھی اسی دم
میں چاہتا ہوں سحر کو نہ شام کو دیکھے
کھلے جو آنکھ تو پانی کے جام کو دیکھے

یہ کہہ کے لے لیا مشکیزہ آپ نے بڑھ کر
سلام کرکے بہن کو رواں ہوئے سوئے در
قریب ڈیوڑھی کے جاکر جونہی اٹھائی نظر
تو دیکھا زوجہ کھڑی ہے جھکائے اپنا سر
جگر کے تیغ الم سے جو ٹکڑے ہوتے ہیں
تو خود بھی روتی ہے دونوں پسر بھی روتے ہیں

پدر کو دیکھ کے بیٹے لپٹ گئے اک بار
یہ بولے جوڑ کے ننھے سے ہاتھ وہ دلدار
یتیم کیجئے نہ بابا ہمیں پئے غفار
کوئی نہیں ہے یہاں اپنا مونس و غم خوار
جدھر کو دیکھو اُدھر دشمنان اظلم ہیں
پرایا دیس ہے، سنسان دشت ہے، ہم ہیں

یہ بولے چوم کے رُخسار حضرت عباسؑ
خدا معین ہے سب کا نہ ہو تم اتنے اُداس
اسی کی ذات سے پیارو لگائے رہیو آس
نہ ہوگا باپ اگر، ماں تو ہوگی ہر دم پاس
ملول دن کو نہ افسردہ رات کو رہنا
اسی کے سینے پہ رکھ کر سروں کو سو رہنا

یہ کہہ کے بیٹوں سے زوجہ کے چہرے کو دیکھا
بھر آیا دل مگر آہستہ اس طرح سے کہا
حواس و ہوش تمہارے نہیں رہے ہیں بجا
خدا کے واسطے تھامے رہو دل اپنا ذرا
جو نیک بی بی ہے وہ کچھ زباں سے کہتی نہیں
کوئی رنڈاپے کا غم کیا جہاں میں سہتی نہیں

یہ بولی پونچھ کے آنکھوں سے اشک وہ دکھیا
یہ پند کیسی ہے کچھ بھی زباں سے میں نے کہا
تمہارے بیٹوں ہی نے تم کو راہ میں روکا
تمہیں بتاؤ پھر اس میں تھی کون میری خطا
جو دل کہے وہی تعزیر بھی ملے صاحب
قصوروار، زباں بھی اگر ہلے صاحب

ہے کشمکش میں مرا دل بہت، خدا ہے گواہ
یہ اپنا درد، یہ بچوں کا صدمۂ جانکاہ
پھر اس پہ حکم تمہارا کہ منھ سے نکلے نہ آہ
کدھر کو جاؤں کہاں چھپ رہوں، مرے اللہ
محیط غم سے ذرا گو اُبھر نہیں سکتی
مگر خلاف اطاعت بھی کر نہیں سکتی

یہ کہہ کے دل ہوا کچھ اس طرح تہ و بالا
کہ دونوں ہاتھوں سے پہلو دبا لیا اپنا
ہوا وہ حال کہ عباسؑ سے نہ دیکھا گیا
لہو کے اشک نکل آئے لاکھ ضبط کیا
وفور گریہ تھا ایسا وداع ہوتے ہوئے
کہ نکلے خیمے کے باہر بھی آپ روتے ہوئے

نہ ہوتا بڑھ کے جو مانع خیالِ شاہِ اُمم
کسی طریق سے ہوتا وہ جوش اشک نہ کم
مگر جونہی نظر آیا رُخِ شہ اکرم
ادب سے ہوگیا فوراً ہی خشک دیدۂ نم
حضور سید والا جو بڑھ کے جانے لگے
عوض میں رونے کے عباسؑ مسکرانے لگے

ادب سے شہ کو کیا رُخصتی جری نے سلام
فرس پہ چڑھ کے چلا جانب سپاہ شام
لگا کے ایڑ ذرا چھیڑ دی جو اس کی لگام
ہَوا ہُوا فرس خوش عنان وکبک خرام
اُڑا چمک کے جو رنگ رُخ سحر کی طرح
نظر سے دم میں نہاں ہوگیا شرر کی طرح

وہ جھوم جھوم کے چلتا تھا چال مستانہ
ہر ایک دیدۂ گلگوں تھا، مے کا پیمانہ
نہ کیوں ہو دیکھنے والے کا قلب پروانہ
شرارت اس میں تھی مثل نگاہ جانانہ
کلیجے ٹکڑے تھے عشاق کے کتاں کی طرح
ہزار رنگ بدلتا تھا آسماں کی طرح

کہوں جو کبک تو انداز یہ وہاں کب ہیں
شرر کہوں تو شرریوں سبک عناں کب ہیں
جو بجلیاں کہوں تو بجلیاں رواں کب ہیں
ہوا کہوں تو ہوا میں یہ گرمیاں کب ہیں
زباں سے مدح ہو اس کی کہاں یہ طاقت ہے
ثنا ہے ختم بس اس پر کہ اس کی قدرت ہے

جب اس شکوہ سے پہنچا دلیر ساحل پر
دم اس نے تھم کے لیا تھوڑی دیر ساحل پر
دکھایا فوج کو قسمت کا پھیر ساحل پر
اجل پکاری کہ آیا ہے شیر ساحل پر
کرے گا گھیر کے زخمی یہیں شغالوں کو
بس اب ملے گا نہ رستہ کہیں شغالوں کو

نگاہ غیظ میں کی اس طرف سوئے صمصام
اُدھر بڑھا صفِ لشکر سے شمر بد انجام
قریب آ کے ادب سے کیا شقی نے سلام
وغا سے جوڑ کے ہاتھوں کو پھر کیا یہ کلام
سمجھئے گر تو عزیز قریب ہوں میں بھی
اگر خلاف نہ گذرے تو کچھ کہوں میں بھی

جواب آپ نے یوں مسکرا کے اس کو دیا
بیان کر اسے جو کچھ کہ تجھ کو ہو کہنا
خوشامدانہ طریقے سے تب وہ کہنے لگا
کہ آپ کو نہیں اپنے سے جانتا میں جدا
نہ جانئے گا سخن لب پہ یہ وغا سے ہیں
قلق ہے روح کو میری کہ آپ پیاسے ہیں

جو چھوڑ دیجئے سبط نبیؐ کی ہمراہی
تو فوج بھر میں کرے ایک بھی نہ بدخواہی
ابھی دمشق کو، ہوں ساتھ آپ کے راہی
امیر شام عجب کیا جو بخش دے شاہی
خدیو کون و مکاں اور فلک وقار ہیں آپ
امام زادے ہیں، حیدرؑ کے ورثہ دار ہیں آپ

نہ ہو یہ رائے جو منظور طبع پاک جناب
تو آپ کے لئے ہر وقت وا ہے صلح کا باب
نہ تشنگی سے کلیجہ حضور کا ہو کباب
ہے نہر سامنے بھر لیجئے یہ مشکِ آب
مرے ہی حکم میں کل فوج اہل بدعت ہے
کرے جو منع کسی کی یہ تاب و طاقت ہے؟

کہا دلیر نے ظالم ذرا خدا سے ڈر
یہ کیا زباں سے کہا، ہے ترا خیال کدھر
حسینؑ ہیں جگر و جانِ ساقی کوثر
امام کون و مکاں بادشاہ جن و بشر
انھیں کے حکم کا امیدوار میں بھی ہوں
بس اک غلام شہ نامدار میں بھی ہوں

خیال میرا تو ہے اس قدر تجھے اللہ!
کہ تشنگی سے مری حال دل ہے تیرا تباہ
غلام جس کا ہوں اس کی خبر نہیں تجھے واہ
وہ خود بھی بچے بھی دو دن سے تشنہ کام ہیں آہ
محال ہے کہ برے وقت میں بدل جاؤں
جگر جو آب سے ٹھنڈا کروں تو جل جاؤں

یہ میں نے مانا اگر واقعی ہو تیری خوشی
تو مشک آب سے بھر لاؤں نہر سے میں ابھی
کلیجے ٹھنڈے ہوں بچ جائے جان بچوں کی
جزائے خیر تجھے دیں گے احمد عربیؐ
یقین جان عوض ایک ایک ساغر کے
جناں میں پائے گا حیدرؑ سے جام کوثر کے

یہ کہہ کے آپ روانہ ہوئے سوئے ساحل
تمام فوج ہٹی نہر میں ہوئے داخل
جگر ہوا سوئے امواج دیکھ کر بسمل
بھر آیا ساغر لبریز کی طرح سے دل
لہو کے اشک پیا پے ٹپک گئے آخر
حباب چشم کے ساغر چھلک گئے آخر

ہوا یہ سن کے بن سعد کو کمال ہراس
بلا کے شمر کو گویا ہوا بصد وسواس
سنا ہے بھر رہے ہیں مشک نہر سے عباسؑ
بڑا غضب ہے اگر بجھ گئی حسینؑ کی پیاس
ہر اک کو مورد رنج و تعب کیا تو نے
خود آپ دے دی اجازت غضب کیا تو نے

دیا جواب شقی نے ہے ذہن تیرا کہاں
کروں میں پاسِ علمدار یہ غلط ہے گماں
یہ مکر میں نے کیا اس لئے سن او ناداں
کہ اپنے قبضے میں آجائے یہ ہژبرِ ژیاں
مقابل اس کے کوئی وقت جنگ کب ہوتا
یہ فکر میں جو نہ کرتا تو پھر غضب ہوتا

وہ بے حسینؑ نہ پانی کبھی پیئے ہوگا
پیئے حفاظت آب اپنا دم دئے ہوگا
خیام شاہ کی جانب نظر کئے ہوگا
لڑے گا فوج سے کیا مشک جب لئے ہوگا
رہِ خطا پہ چلیں کیوں ثواب کے بدلے
لہو بہائیں گے ہم دم میں آب کے بدلے

عبث ہے فکر پریشان اپنا حال نہ کر
رُخ سیاہ کو غیظ و غضب سے لال نہ کر
خبر نہیں، ہیں کماندار، یہ خیال نہ کر
سب اپنے کام پہ ہیں لیس کچھ ملال نہ کر
وہاں سے کیا میں یہاں بے خبر کے آیا ہوں
سرانِ فوج کو ہشیار کرکے آیا ہوں

یہ ذکر تھا کہ پھرے آپ مشک کو بھر کر
پرے سپاہ کے ساحل پہ جم چکے تھے اُدھر
خدنگِ ظلم چلانے لگا جو کُل لشکر
جلال آگیا بدلے ہژبر کے تیور
ہزارہا جو شغال اک جگہ نظر آئے
سپاہ شام پہ تلوار تول کر آئے

صفوں میں شیر کے آنے سے پڑ گئی ہلچل
اُدھر الف ہوئے گھوڑے ادھر گرے پیدل
سپہ کے کشتوں سے یوں دم میں بھر گیا مقتل
دکھائی دیتا تھا لاشوں کا ہر طرف جنگل
ہوائے تیغ کے جھونکے جو چلتے تھے بن میں
بگولے اُٹھتے تھے خونِ جہندہ کے رن میں

چمک سے تیغ کی کیوں برق شرمسار نہ ہو
نظر کی طرح سے چار آئینوں کے پار نہ ہو
گرے سروں پہ تو مطلق تنوں پہ بار نہ ہو
پکارتے ہیں ملک دیکھو ذوالفقار نہ ہو
زمیں پہ لوٹ رہے ہیں کسی قتیل کی طرح
ہمارے پر بھی نہ کٹ جائیں جبرئیل کی طرح

نہ مرغِ جاں رہے یوں جسم کے قفس توڑے
ہرن ہوئے تھے سواروں کو پھینک کر گھوڑے
خجل ہوئے تھے خطاؤں پہ اپنی کیا تھوڑے
کماں کے گوشے بھی تھے دونوں ہاتھوں کو جوڑے
نگاہِ غیظ سے اس شیر نے جہاں دیکھا
ہر ایک تیر کو انگشت در دہاں دیکھا

اجل پکاری نہ کیوں حال فوج شر ہو خراب
کیا کسی نے نہ اللہ و مصطفیؐ سے حجاب
عبث نہیں ہے علمدار شاہ دیں کو عتاب
جری کو کس لئے لے جانے دی نہ مشکِ آب
جلا دیا ہے سبھوں کو شرر فشانی نے
لگائی ہے لب دریا پہ آگ پانی نے

بچا نہ سکتے تھے جانیں کسی طرح اعدا
وہ کشمکش تھی کہ ملتا نہ تھا کہیں رستا
کوئی شقی کسی تدبیر سے جو بچ بھی گیا
تو بڑھ کے موت نے دی تیغ تیز کو یہ صدا
کہاں تلک کوئی ترسے تری جفا کے لئے
ادھر بھی دیکھ لے منھ پھیر کر خدا کے لئے

کھڑا تھا ایک طرف ابن سعدِ ناہنجار
یہ رنگ دیکھ کے حیران تھا وہ ظلم شعار
نظر جو آپ کی اس سمت اُٹھ گئی اک بار
تو ہاتھ روک کے آواز دی کہ او مکّار
غرور کر نہ لعیں تاج و چترِ زرّیں پر
وغا دلیروں سے تف ایسے دین وآئیں پر

لڑائی کا مری کیا رنگ دیکھتا ہے لعیں
عطش کے مارے تڑپتی ہے دختر شہ دیں
میں آب لینے کو آیا تھا سوئے لشکر کیں
مجھے تو دھیان ہے بچوں کا فکر جنگ نہیں
عجب نہ تھا جو فنا لشکرِ جفا ہوتا
پئے جدال میں آتا تو پھر مزا ہوتا

یہ ہاتھ روکے ہوئے کر رہے تھے آپ ارشاد
کمیں میں چھپ رہے دوبانی دغا و فساد
جفائے دہر کے ہاتھوں سے اے فلک فریاد
بس اتنا وقفہ غضب ہوگیا بڑھے جلاد
پئے جفا و ستم ہم قسم ہوئے دونوں
لگائے وار تو شانے قلم ہوئے دونوں

زہے وفائے علمدار شاہ بحر و بر
نہ اپنے سرکا رہا ہوش اور نہ تن کی خبر
زمیں پہ شانے سے گرنے لگی جو مشک ادھر
دبا لیا اسے دانتوں میں آپ نے جھک کر
چلے جو خیمے کو حسرت بھری نگاہ کی طرح
لبوں پہ آگیا مشکیزہ دودِ آہ کی طرح

ہزار حیف لڑائی کا رنگ ہی بدلا! — ہزار حیف لگا مشک پر بھی تیر جفا
جو دور دور تھے پاس آگئے وہ اہل جفا — بہا جو آب تو صدمے سے تن میں دم نہ رہا
خود اپنی موت کا کھٹکا دلوں میں جب نہ رہا — رہے نہ آپ کے قابو میں آپ کے اعضا
لعیں لگانے لگے وار بے خطر صدہا — زمیں پہ گر پڑا دانتوں سے چھٹ کے مشکیزا

کسی نے پاس سے اشرار کو نہ دور کیا — جہاں میں سہ گئے دل پر الم بڑے عباسؑ
تنِ حضور کو زخموں سے چور چور کیا — اسی کے ساتھ ہی گھوڑے سے گر پڑے عباسؑ

قریب لاشۂ عباسؑ ہیں شہ خوش ذات — سیہ زمانہ ہے آنکھوں میں دن ہوا ہے رات
یہ عرض کرتا ہے خورشیدؔ آپ سے اک بات — پکاریں اَحْسَنَ رَبِّیْ لَکَ الْعَزَا حضرات

اٹھیں نہ مجلس ماتم سے دل میں پچھتا کے
سروں کو پیٹیں بس اب روئیں خوب چلا کے

سلام

بنت زہراءنقوی ندیؔ الہندی صاحبہ — معلمہ جامعۃ الزہراء، تنظیم المکاتب، بڑاباغ، لکھنؤ

دل کو غم حسین کا خوگر بنا دیا — کمزور دل کو اپنے قوی تر بنا دیا
بندی کو لطفِ شہؑ نے سخنور بنا دیا — قطرے کو دریا، نقطے کو دفتر بنا دیا
یہ ماتم حسینؑ کا احسان دیکھئے — ویران گھر تھا خلد سے بہتر بنا دیا
سرورؑ نے حُر کے اشکِ ندامت کو پونچھ کر — قطرے کو اک نظر میں سمندر بنا دیا
دیکھو لطافتیں نگہِ لطف یار کی — کانٹے کو مسکرا کے گل تر بنا دیا
کٹ کر بھی سر تلاوت آیات ہی کرے — نیزے تلک کو شاہ نے منبر بنا دیا
بہتر حیات، موت سے ہے پر حسینؑ نے — لو زندگی سے موت کو بہتر بنا دیا
حبِّ علیؑ نے کتنی چمک دی ہے قلب کو — ذرہ کو آفتاب کا ہمسر بنا دیا
فطرت پہ حملہ کرنے بڑھے جب بھی سنگدل — اشکوں کا میں نے جلد ہی لشکر بنا دیا
سمجھو عزائے شاہ میں رونے کی عظمتیں — قدرت نے اشک بنتے ہی گوہر بنا دیا
تبلیغ ہورہی ہے دیار یزید میں — وحدت نے قیدیوں کو پیمبر بنا دیا
لکھنا ہے مرثیہ تجھے پیاسوں کا اے ندیؔ — اچھا کیا کہ آنکھوں کو ساغر بنا دیا